فکرِ حالی کا ردِّ عمل: مذہبی وادبی عوامل

Reaction to Hali's Thought: Religious & Literal Factors

Open Access Journal
Qtly. Noor-e-Marfat
eISSN: 2710-3463
pISSN: 2221-1659
www.nooremarfat.com
Note: All Copy Rights are Preserved.

Gul Ahmed
Ph.D. Scholar; Urdu Department, Allama Iqbal Open University, Islamabad.
E-mail:gulahmad110@gmail.com

Abstract:Maolana Altaf Hussain Hali was a renowned scholar and author of Urdu literature. He was born in an era which was marked by a continued conflict between tradition and modernity. A new ideology was necessary in the wake of the glory of modern civilization which coal-d guarantee the civilizational integrity of the Muslims of the Sub-continent. Hali tried to bring a revolution to their lives in the light of this new ideology. As a resale-t of his effort, an ideological reaction made its way to society, prompted by many causes and reasons. One of the factors was the strong reaction against the new interpretation of religious thoughts. This article is concerned with this factor.

Keywords: Altaf Hali, Reaction, Sir Syed Ahmed Khan, Urdu Literature.

خلاصہ

مولانا الطاف حسین حالؔی اردو ادب کے ایک نامور دانشور اور ادیب تھے۔انہوں نے ایک ایسے عہد میں جنم لیا جب قدیم وجدید کی چپقلش جاری تھی۔جدید تہذیب کی چکاچوند میں انہیں نئ فکر کی ضرورت تھی جو مسلمانانِ برصغیر کی تہذیبی زندگی کی ضامن ہو۔ حالؔی نے اس نئ فکر کی روشنی سے ان کی زندگی میں انقلاب پیدا کرنے کی کوشش کی۔اس کوشش کے نتیجے میں ایک فکری ردّ عمل پیدا ہوا۔ جس کے کئ عوامل اور اسباب تھے۔انہی میں سے ایک سبب مذہبی افکار کی تعمیرِ نو کے خلاف شدید ردّ عمل تھا۔زیرِ نظر مقالے میں اسی عامل کا تحقیقی مطالعہ کیا گیا ہے۔

کلیدی کلمات: الطاف حالؔی، ردّ عمل، سر سید احمد خان، اردو ادب۔

مقدمہ

مولانا الطاف حسین حالیؔ اردو ادب کے ایک ایسے نامور ادیب اور شاعر تھے جنہوں نے اپنے سماج کے حالات کا بہ غور مشاہدہ کیا اور اپنی قوم کی زبوں حالی کو دور کرنے کے لئے ادب میں اجتہاد کا بیڑا اٹھایا۔ ان کی یہ ادبی کاوش ایک مسلسل فکری عمل کا نتیجہ تھی۔ حالی کی فکر کی تشکیل میں فارسی اور انگریزی لٹریچر سے آشنائی اور مطالعہ کا عنصر گہری تاثیر کا حامل تھا۔ وہ عربی زبان وادب سے بھی شغف رکھتے تھے۔ سر سید احمد خان سے بھی ان کی قربت رہی۔ حالیؔ نے انجمن پنجاب کے مناظروں میں بھی شرکت کی جو حالیؔ کی فکری تشکیل کا ایک اہم سبب بنا۔ یقینا حالی کے دماغ میں جس فکر نے پرورش پائی، حالی کے کلام اور آثار میں اس کا تراوش فطری عمل تھا۔ لیکن حالی کے افکار کی مذہبی، ادبی حلقوں میں مخالفت بھی ہوئی۔ اِس مقالہ میں فکرِ حالی کے بیان کے ضمن میں اس کی مخالفت کے مذہبی، ادبی عوامل کا بھی جائزہ لیا گیا ہے۔

فکرِ حالی کی تشکیل

مولانا الطاف حسین حالیؔ اردو ادب کے ایک نامور ادیب، شاعر، نقاد اور مفکر تھے جنہوں نے اردو ادب کو جدت آشنا کیا۔ انہوں نے حالات کا بہ غور مشاہدہ کیا اور اپنی قوم کی زبوں حالی کو دور کرنے کے لئے ادب میں اجتہاد کا بیڑا اٹھایا۔ ان کی یہ ادبی کاوش ایک مسلسل فکری عمل کا نتیجہ تھی۔ اس فکری تشکیل اور ارتقا میں کئی عناصر شامل تھے۔ یہ عناصر مولانا حالیؔ کی علمی و ادبی زندگی میں مختلف مقامات پر شامل ہوتے گئے۔ اس سلسلے میں مولانا حالیؔ کا وہ بیان بنیادی اہمیت کا حامل ہے جس میں انہوں نے اپنی ابتدائی تعلیم کا ذکر کرتے ہوئے کہا تھا:

''انہوں [والد] نے اوّل مجھے قرآن حفظ کرایا۔ اس کے بعد اگرچہ تعلیم کا شوق خود بخود میرے دل میں حد سے زیادہ تھا مگر با قاعدہ اور مسلسل تعلیم کا کبھی موقع نہیں ملا۔ ایک بزرگ سید جعفر علی مرحوم سے دو چار فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں اور ان کی صحبت میں فارسی لٹریچر سے ایک نوع کی مناسبت پیدا ہو گئی۔ پھر عربی کا شوق ہوا۔۔۔ مولوی حاجی ابراہیم حسین انصاری... سے صرف و نحو پڑھی۔ چند روز بعد بھائی اور بہن نے تاہل پر مجبور کیا۔ اس وقت [۱۸۵۴ء] میری عمر ۱۷ برس کی تھی... میں گھر والوں سے روپوش ہو کر دہلی چلا گیا اور قریب ڈیڑھ برس کے [۱۸۵۵ء تک] رہ کر کچھ صرف و نحو اور کچھ کتابیں منطق کی مولوی نوازش علی مرحوم سے پڑھیں... میں نے دہلی میں ابتدائی شرح مسلم، ملا حسن اور میبذی پڑھنی شروع کی تھی کہ سب عزیزوں اور بزرگوں کے جبر سے چار و ناچار مجھ کو دہلی چھوڑنا اور پانی پت واپس آنا پڑا۔ یہ ذکر ۱۸۵۵ء کا ہے۔ دہلی سے آ کر برس ڈیڑھ برس تک پانی پت سے کہیں جانے کا اتفاق نہیں ہوا۔''[1]

اپنی ابتدائی تعلیم کے بارے میں مندرجہ بالا اقتباس میں ایک جملہ: ''ان کی صحبت میں فارسی لٹریچر سے ایک نوع کی مناسبت پیدا ہو گئی۔'' قابلِ غور ہے۔اب مولانا حالی کا دوسرا جملہ مندرجہ ذیل اقتباس سے ملاحظہ ہو، جب وہ ۱۸۷۲ء میں لاہور گئے تھے۔ جس کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں'': نواب شیفتہؔ کی وفات کے بعد پنجاب گورنمنٹ بک ڈپو میں ایک اسامی مجھ کو مل گئی جس میں مجھے یہ کام کرنا پڑتا تھا کہ جو ترجمے انگریزی سے اردو میں ہوتے تھے، ان کی اردو عبارت درست کرنے کو مجھے ملتی تھی۔ تقریباً چار برس میں نے یہ کام لاہور میں کیا۔ اس سے انگریزی لٹریچر کے ساتھ فی الجملہ مناسبت پیدا ہو گئی اور نا معلوم طور پر آہستہ آہستہ مشرقی اور خاص کر عام فارسی لٹریچر کی وقعت دل سے کم ہونے لگی۔''[2]

حالی کا پورا ذہنی و فکری ارتقا ان دو جملوں کے درمیان موجود ہے۔ پہلا جملہ ''ان کی صحبت میں فارسی لٹریچر سے ایک نوع کی مناسبت پیدا ہو گئی'' اور دوسرا جملہ ''اس سے انگریزی لٹریچر کے ساتھ فی الجملہ مناسب پیدا ہوئی اور نامعلوم طور پر آہستہ آہستہ مشرقی اور خاص کر عام فارسی لٹریچر کی وقعت دل سے کم ہونے لگی۔'' پہلے جملے کی ادائیگی کے بعد اور دوسرے دو جملے کہنے تک کی درمیانی تمام کڑیاں حالی کے ذہنی و فکری ارتقا کا اصل پتہ دیتی ہیں۔ ان دو جملوں کے درمیانی عرصے میں حالیؔ سب سے پہلے فارسی ادب کے رسیا ہوئے؛ پھر عربی زبان و ادب کی طرف متوجہ ہوئے؛ جب شاعری کا آغاز کیا تو پہلے غالبؔ کی شاگردی اختیار کی مگر جلد ہی یہ کہہ کر ''غالبؔ سے مجھے چنداں فائدہ نہ ہوا۔''[3] غلام مصطفےٰ شیفتہؔ کی شاگردی اختیار کی۔

۱۸۷۱ء میں حالیؔ نے علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ میں ''سید احمد خان اور ان کے کام'' کے عنوان پر ایک مضمون تحریر کیا۔ یہ مضمون سر سید احمد خان اور حالیؔ کے درمیان قربت کا ایک ذریعہ بنا۔ اس کے بعد ۱۸۷۲ء میں حالیؔ پہلے دہلی آئے اور پھر لاہور آ گئے جہاں انہیں پنجاب بک ڈپو میں معاون مترجم کی ملازمت ملی جہاں ان کا کام انگریزی زبان کی کتب کے اردو تراجم کی پلک نوک سنوارنا تھا۔ اس ملازمت سے انہیں انگریزی ادب سے بالواسطہ آشنائی ہوئی۔ انگریزی زبان و ادب کے موضوعات اور خیالات سے آگاہی ان کی فکری تشکیل میں ایک اہم عنصر بن کر ابھری۔ لاہور میں حالیؔ نے مولانا محمد حسین آزادؔ کی تحریک پر اور کرنل ہال رائیڈ کی تائید سے انجمن پنجاب کے مناظروں میں شرکت کی۔ ان مناظروں کا مقصد غزل کی بجائے نظم کو فروغ دینا تھا اور نظم میں بھی مغربی موضوعات کی ترویج و اشاعت تھا۔ لہٰذا حالیؔ نے چار مناظروں میں شرکت کی اور چار نظمیں؛ برکھا رت، نشاط امید، حب الوطن اور مناظرۂ رحم و انصاف پیش کیں۔ یہ پلیٹ فارم بھی حالیؔ کی فکری تشکیل کا ایک اہم سبب بنا۔ اسی دوران سر سید اور حالیؔ کے درمیان راہ و رسم بڑھی اور حالیؔ سر سید تحریک کے ایک فعال اور سرگرم رکن بن کر سامنے آئے۔ سر سید تحریک کے تمام فکری زاویے اس دوران حالیؔ کی فکر کا حصہ بنے۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

عربی زبان وادب اور حالی

مولانا حالی نے قرآن مجید حفظ کیا ہوا تھا اس کے علاوہ عربی صرف و نحو اور دیگر مذہبی عربی کتب بھی پڑھیں تھیں؛ اس لیے ان کی فکری تشکیل میں اس عنصر نے بھی بھرپور کردار ادا کیا۔ ۱۸۶۴ء سے ۱۸۷۰ء کے درمیان حالی نے ایک رسالہ ''مولود شریف' تحریر کیا جو ان کی اردو نثر کا ابتدائی نمونہ ہے۔ ۱۸۵۶ء میں جب حالی انیس برس کے تھے تب حالی نے حاجی جان محمد قدسیؔ کی مشہور نعتیہ غزل ''مرحبا سید مکی مدنی العربی'' پر ایک تضمین لکھی اور اس میں '' خستہ '' تخلص اختیار کیا۔ یہ عربی آمیز اردو نعت ہے۔ ۱۸۶۷ء میں ایک مناظرانہ کتاب ''تریاق مسموم'' تحریر کی جو ہے تو اردو زبان میں مگر اس میں ایک مرتد پادری عمادالدین کی کتاب ''ہدایت المسلمین'' کا مسکت جواب دیا گیا تھا۔ اس کتاب میں آیات اور احادیثِ نبوی کی روشنی میں ان اعتراضات کا جواب دیا گیا تھا جو مرتد پادری نے اسلام اور حضور رحمت عالم ﷺ پر کیے تھے۔ اس کے علاوہ ۴۸ اشعار پر مشتمل ایک عربی قصیدہ بھی اسی سال کی تخلیق ہے جس کا پہلا شعر درج ذیل ہے:

هوی الحور بلوی کل حبر وناذب　　　　فتنة قیس وزلة راهب [4]

لاہور میں قیام کے دوران تین عربی نظمیں بھی تخلیق کیں؛ پہلی نظم اکرام اللہ خان کی شادی پر سولہ اشعار پر مشتمل ہے جس کا ابتدائی شعر یہ ہے:

بنفسی مابه جا ء البشیر　　　　ومی افدی به شئی یسیر [5]

دوسری نظم میں نو اشعار ہیں جس کی ابتدا اس شعر سے ہوتی ہے:

هل من بلیغ عن محصور لاہور　　　　عن مبتلی فیه بعد الکور بالحور [6]

تیسری نظم کارڈی قائم مقام ڈائریکٹر محکمہ تعلیم پنجاب کی مدح میں کہا گیا ایک قصیدہ ہے جو اس عربی شعر سے شروع ہوتا ہے:

لنا آسیا ئین عند خصاصة　　　　تکون بناان نلتجی بالقصائد [7]

لاہور کے قیام کی ایک نثری کاوش '' طبقات الارض'' ہے جو ایک عربی کتاب کا اردو ترجمہ ہے۔ ستمبر ۱۸۹۳ء میں حالی نے اپنا مشہور و معروف مقدمہ '' مقدمۂ شعر و شاعری''مکمل کیا جو ان کے دیوان کے ساتھ چھپا۔ یہ مقدمہ اردو میں منظّم تنقید کا پہلا منشور کہلاتا ہے۔ حالی نے اپنے اس مقدمے میں اپنے تنقیدی نظریات کی بنیاد مشرقی اور مغربی ادبیات کے تنقیدی عناصر پر رکھی۔ جن مشرقی ادبا اور شعرا سے حالی نے استفادہ کیا ان میں رعشی، ابن رشیق، ابو تمام، عبداللہ بن معد یکرب، عیدراکانی، ابن دراج اندلسی، زبیر ابی سلمی، نظیر نیشاپوری، رودکی، عمر خیام، فردوسی، سعدی، شقائی صغائی، اصمعی، ابن خلدون اور محقق طوسی شامل ہیں۔

حالؔی نے اپنے تنقیدی نظریات پیش کرتے ہوئے ان مشرقی ادبا اور شعرا کے افکار و نظریات سے مثالیں دی ہیں۔ عربی زبان میں ابو تمامؔ نے اپنے ''حماسہ'' میں اخلاقی اشعار کا ایک بڑا ذخیرہ جمع کیا ہوا ہے۔ اس کے علاوہ متنبّیؔ نے نازک خیالی کے شیشے میں علوہمت، عزت نفس اور تہذیب امور کا بادۂ گل رنگ پیش کیا ہوا ہے۔ یوں عربی زبان و ادب سے بھی حالؔی نے صرف اخلاقی شاعری کو پسند کیا اور اپنی فکر کا مستقل حصہ بناڈالا۔

فارسی زبان و ادب اور حالؔی

اپنی ابتدائی تعلیم کے دوران حالؔی کو ابتداً فارسی زبان و ادب سے خصوصی لگاؤ ہوا جو اگرچہ جلد ہی ماند پڑ گیا مگر اس کے اثرات حالؔی کی شاعری اور نثری کاوشوں میں موجود ہیں۔ اس سلسلے میں ان کی ایک کتاب '' اصول فارسی'' قابل ذکر ہے جو ۱۸۶۸ء میں فارسی صرف و نحو کے موضوع پر تالیف کی گئی۔ اس کتاب کی تالیف کا سبب محکمہ تعلیم پنجاب کا ایک انعامی اعلان تھا۔ اس کے علاوہ فارسی زبان میں ایک فارسی قطعہ بھی ملتا ہے جو حالؔی کی غالبؔ کے ساتھ عقیدت کی غمازی کرتا ہے۔ اس قطعے کا ابتدائی شعر درج ذیل ہے:

تو اے که رونق پیشینیاں بهم بشکست		زنظم ونثر توکاندر زمانِ ماگفتی[8]

۱۸۷۷ء میں حالؔی نے نواب کلب علی خان کی مدح میں ۸۷ اشعار پر مشتمل ایک قصیدہ بھی تخلیق کیا جس کا پہلا شعر یہ ہے:

سحر گه بگرفتند چوں از زشت و از زیبا		بدل گفتم کدامیں نعمت آید برتر از نعما[9]

۱۸۸۲ء میں حالؔی نے '' سفر نامہ حکیم ناصر خسرو'' پر ایک طویل مضمون فارسی زبان میں تحریر کیا۔ ۱۸۸۶ء میں حالؔی نے فارسی زبان و ادب کے عظیم ادیب شیخ سعدیؒ کی سوانح حیات '' حیات سعدی'' مرتب کی جس کے دوسرے حصے میں شیخ سعدیؒ کے کلام پر تنقیدی آرا بھی ملتی ہے۔ فارسی لٹریچر سے مناسبت کا ہی یہ ثبوت ہے کہ حالؔی نے ''حیاتِ سعدی'' تخلیق کی۔ حالؔی کی فکری تشکیل میں ان کی اخلاقی شاعری کو ایک اہم مقام حاصل ہے۔ سعدؔی بھی علمِ اخلاق کے بہت بڑے معلم تھے اس لیے حالؔی نے فارسی کے اس عظیم معلّمِ اخلاق کی سوانح عمری مرتب کی۔ سعدؔی کا علمِ اخلاق حالؔی کی اردو شاعری کا مرکزی نقطہ ہے۔

اس کے علاوہ حالؔی اور سعدؔی دونوں جامع نظم و نثر تھے، دونوں شاعری اور نثر نگاری میں ایک طرزِ نو کے موجود تھے۔ دونوں صنعت، تکلّف اور مبالغے سے متنفّر تھے۔ ۱۸۹۸ء میں سر سید کی وفات پر فارسی میں ایک مرثیہ لکھا جو حالؔی کی دلی کیفیات کی بھرپور عکاسی کرتا ہے۔ اس کا پہلا شعر درج ذیل ہے۔

آه آه از مرگ ِ دهر آشوب سید آه آه		آنکه در بر ناملائم قوم را بودی پناه[10]

۱۹۰۶ء میں والی افغانستان امیر حبیب اللہ جب ہندوستان آئے تو نواب محسن الملک کی فرمائش پر حالی نے ایک قصیدہ لکھا جس کے ابتدائی اشعار درج ذیل ہیں:

می رسد گر فرقِ عزت بگذررداز فرقداں　　　میزبانے را کہ شاہے چوں توباشد مہیماں
گربہ رقص آید در ودیوار کالج نیست　　　زین طرب کامد بہ دیدارش امیرِ کامراں [11]

۱۷/مئی ۱۹۰۷ء میں مولانا شبلی ایک حادثے کا شکار ہوئے تو حالی نے ایک فارسی رباعی لکھی جس میں کہتے ہیں:

شبلی کہ گزند پاش پردل شکن است　　　باخستگیش خستگی مقترن است
چنداں کہ بکاهند فزایند ایں جا　　　کار آستین چمن ز پیراستن است [12]

حالی چوں کہ جلد ہی مشرقی ادب سے گریزاں ہو گئے تھے اس لیے فارسی زبان وادب میں صرف اتنا ہی سرمایہ دستیاب ہے۔

انگریزی زبان وادب اور حالی

انگریزی زبان وادب سے حالی کی شناسائی پنجاب بک ڈپو کی ملازمت کی بدولت ہوئی۔ انگریزی کتب کے اردو تراجم کی درستی کے دوران ان پر مغربی افکار و نظریات منکشف ہوئے تو یہ عمل حالی کی فکری تشکیل میں ایک اہم عامل کے طور پر سامنے آتا ہے۔ اس کے سب سے پہلے اثرات ان کی ایک نظم ''جوان مردی کا کام'' میں نظر آتے ہیں جو دراصل ایک انگریزی حکایت سے ماخوذ ہے۔ لاہور میں ہی انجمن پنجاب کا پلیٹ فارم بھی مغربی موضوعات کی ترویج وشاعت کا ایک اہم باب تھا۔ اس پلیٹ فارم پر حالی نے چار نظمیں نئے موضوعات پر تخلیق کیں۔ ۱۸۷۸ء میں حالی نے ایک نظم ''زمزمۂ قیصری'' تحریر کی جو مسٹر اسٹوک کی انگریزی نظم کا اردو ترجمہ ہے۔ یہ نظم چھتیس بندوں پر مشتمل ہے۔

اس بارے میں حالی لکھتے ہیں کہ مسٹر اسٹوک ایک انگریز مصنف نے دربارِ قیصری منعقدہ ۱۸۷۵ء کے موقع پر ایک انگریزی نظم لکھی تھی جس کے تین حصے تھے: پہلے حصے میں ہندوستان اور مسلمان بادشاہوں اور انگریزی سلطنت کی ابتدا اور ترقی کا ذکر ہے؛ دوسرے حصے میں ان کا تذکرہ ہے جو دربارِ قیصری میں شریک ہوئے تھے۔ پہلے حصے میں مصنف نے بعض مسلمان بادشاہوں پر نکتہ چینی کی ہے اسی طرح ایک اور انگریز نے محمود غزنوی کے متعلق کچھ اشعار نظم کیے ہیں۔ [13]

۱۸۸۰ء میں حالی نے مولانا محمد حسین آزاد کی کتاب ''نیرنگ خیال'' پر ایک بسیط تقریظ لکھی جو علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ میں چھپی جس میں حالی نے آزاد کی مغرب کی پیروی کی روش کو سراہا اور کہا: ''میرے نزدیک جب تک ہمارے اہل وطن مغربی علوم اور مغربی لٹریچر اپنی دیسی زبان میں نہ سیکھیں گے؛ کبھی ان کے خیالات میں

شگفتگی اور بالیدگی پیدا نہیں ہو سکتی۔"[14] ملکہ وکٹوریہ کی مدح میں حالیؔ کا ایک قصیدہ بھی ملتا ہے جو انجمن اسلامیہ کی گولڈن جوبلی کے موقع پر تخلیق کیا گیا۔۱۹۰۱ء میں انہی کی وفات پر ایک مرثیہ '' ملکہ وکٹوریہ کی وفات ''لکھا جس کی خاص بات یہ ہے کہ اس کے دوسرے بند کے آخری شعر سے لے کر تیسرے بند کے آٹھویں شعر تک انجیل کی کوئی نہ کوئی تلمیح موجود ہے اور ساتھ حواشی کا اہتمام بھی ہے۔اگست ۱۹۰۵ء میں جب تھیوڈر ماریسن جو کہ علی گڑھ کالج کے عملے میں شامل تھے؛جب واپس اپنے ملک جانے لگے تو حالیؔ نے ان کی تعریف میں بائیس اشعار پر مشتمل ایک الوداعی نظم پڑھی جس کو سن کر ماریسن آبدیدہ ہو گئے۔

ان تمام تخلیقی کاوشوں سے مترشح ہے کہ حالیؔ نے انگریز،انگریزی زبان اور ادب سے کس قدر اثرات قبول کیے اور ان عناصر نے ان کی فکری تشکیل میں کتنا کردار ادا کیا؟ اسی طرح اگر مقدمہ شعر و شاعری کا تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ کئی مغربی مفکرین اور ادبا کے نظریات وافکار اس مقدمے کا حصّہ ہیں۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ حالیؔ مغربی علم وادب کا مطالعہ تراجم کی مدد سے کرتے تھے جس سے ان کی ذہنی و فکری تشکیل ہوئی۔حالیؔ نے اپنے منفرد انداز میں عورتوں کے مسائل اور ان کی تربیت کا اہتمام کرنے کے لئے ایک کتاب مجالس النسا تحریر کی ہے۔ اس میں حالیؔ نے ملکہ وکٹوریہ کو ایک مثالی کردار کے طور پر پیش کر کے انگریزوں سے مرعوبیت کا اظہار کیا ہے۔

سر سید اور حالی

حالیؔ سر سید کی تحریک کے اہم رکن تھے۔ سر سید تحریک کا ادبی زاویہ متعین کرنے میں حالی کا ہی کلیدی کردار ہے۔ افادی، اصلاحی اور اخلاقی شاعری کا رجحان اردو ادب میں متعارف کروانے کا سہرا حالیؔ ہی کے سر ہے۔اس لیے جب بھی اس قسم کی شاعری تخلیق ہوئی۔ سر سید نے داد و تحسین کا غلغلہ بلند کیا۔ گویا حالیؔ سر سید ہی کے دل کی بات کرتے تھے۔ ''مسدس حالیؔ'' کی اشاعت پر سر سید نے اسے اپنی بخشش کا ذریعہ قرار دیا تھا بعد میں بھی وقتاً فوقتاً جب بھی اسی قسم کی شاعری کی گئی تو سر سید نے آگے بڑھ کر اس کی تحسین کی۔ سر سید چوں کہ انگریزوں کی حمایت میں کمربستہ تھے اس لیے حالیؔ جب سر سید تحریک سے باضابطہ منسلک ہوئے تو حالیؔ بھی انگریزی عمل داری کو باعثِ برکت جاننے لگے۔ یہ سر سید کا پڑھایا ہوا سبق تھا۔[15] اسی طرح جب حالیؔ نے پرانی شاعری کا مذاق اُڑایا اور ناپاک دفتر قرار دیا تب بھی سر سید نے اس کی تعریف کی تھی۔[16]

حالیؔ، سر سید کے کام کو اپنا کام سمجھتے تھے اس لیے سر سید کی مخالفت کا جواب حالیؔ دیتے رہے۔ جس کا ثبوت حالیؔ کی یہ تخلیقی کاوشیں ہیں: قطعہ سید احمد خان کی تکفیر، قطعہ سید احمد خان کی مخالفت کی وجہ، قطعہ سید احمد خان کی تصانیف کی تردید، قصیدہ ناتمام در مدح سید احمد خان، مرثیہ خان سید احمد خان اور حیاتِ جاوید۔اس کے علاوہ حالیؔ نے علی گڑھ کے بارے میں اشعار کہے ہیں جو ان کی علی گڑھ سے دلی وابستگی کا اظہار ہے۔اس سلسلے میں ان کی نظم

"علی گڑھ کالج کیا سکھاتا ہے؟" قابلِ ذکر ہے بل کہ حالؔی نے اس نظم میں علی گڑھ کالج کا منشور مرتب کیا ہے۔ اس کے علاوہ بھی حالؔی کے اشعار میں علی گڑھ کے تعلیمی ادارے کی تعریف و توصیف ملتی ہے۔ان حقائق سے معلوم ہوتا ہے کہ حالؔی، علی گڑھ تحریک کے سرگرم رکن تھے اور اس تحریک کے مقاصد پر مکمل کاربند تھے۔ سرسید تحریک سے باضابطہ وابستگی کے بعد حالؔی کے تمام شعری و نثری کارنامے دراصل علی گڑھ تحریک کے مقاصد سے مکمل ہم آہنگ ہیں جو اس بات کا ثابت ہے کہ حالؔی کی ذہنی و فکری تشکیل میں سرسید تحریک کے گہرے اثرات شامل ہیں۔

فکرِ حالی اور اردو ادب

حالؔی کی فکری تشکیل میں مندرجہ بالا تمام عناصر نے حصہ لیا۔اس تشکیلی عمل کے نتیجے میں حالؔی کی تخلیقات سامنے آئیں۔ان تمام تخلیقی وتالیفی کاوشوں میں ان تمام عناصر کے اثرات واضح دیکھے جا سکتے ہیں۔اس فکری عمل کے نتیجے میں حالؔی نے اردو ادب میں " اجتہاد" کا علم بلند کیا۔ حالؔی نے اس " اجتہادانہ" رویے کے تناظر میں اردو ادب کا ازسرِ نو جائزہ لیا اور سب سے پہلی ضرب اردو کی آبرو "غزل" پر لگائی اور اس کا مزاج بدلنے کی عملی کوشش کی۔دوسری طرف انھوں نے جدید "نظم نگاری" کو پروان چڑھایا اور نظم میں نئے موضوعات کو داخل کیا۔ فطرت، سیاست، معاشرت، سماج اور تمدن کو نظم میں داخل کرکے ایک نئی راہ نکالی۔ تنقید کے میدان میں حالؔی نے روایت سے ہٹ کر مغربی ادبا اور مفکّرین کے افکار و نظریات کو اپنی تنقید کی بنیاد بنایا اور جدید تنقید کی بنیاد رکھی۔جدت پسندی کو رائج کرنے کے لئے حالؔی نے اردو ادبیات کے بعض مروّجہ اصول و ضوابط سے انحراف بھی کیا اور اوزان و بحور کے معاملے میں حالؔی سے کئی مقامات پر تسامحات بھی سرزد ہوئے۔

اس کے علاوہ الفاظ کے استعمال میں بھی حالؔی نے کوئی احتیاط نہ کی۔ عربی اور فارسی کے کئی غریب الفاظ استعمال کیے جو جمالیاتی پہلو سے ناگوار نظر آتے ہیں۔حالؔی نے نثر کے معاملے میں مروّجہ اسلوب سے بھی انحراف کیا تھا۔ سرسید کے زیرِ اثر سادہ نثر نگاری میں اپنا ایک الگ اسلوب تخلیق کیا جب کہ اس عہد میں اگرچہ غالب نے نثر کے معاملے میں "اجتہاد" کا دروازہ کھول دیا تھا؛ مگر مسجع و مقفّیٰ نثر لکھنے کی روایت جاری تھی۔ حالؔی نے سرسید اور غالبؔ کی راہ پر چلتے ہوئے اس مروّجہ نثر کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا۔ حالؔی نے بعض اصنافِ سخن کو نئے سرے سے رواج دیا۔ جس سے ان اصناف کو برتنے کا چلن عام ہوا۔ مسدّس جو پہلے صرف مرثیے کے لئے مخصوص تھی؛ حالی نے "مدوجزرِ اسلام" لکھ کر اس کو عام موضوعات کے لئے بھی جائز قرار دے دیا۔ اسی طرح ترکیب بند کی ہیئت کو بھی حالؔی نے مقبولِ عام بنایا۔علاوہ ازیں مرثیے اور قصیدے کو بھی نئے تقاضوں سے ہم آہنگ کیا۔ مرثیے اور قصیدے میں مبالغے کو ختم کرنے کی کوششیں کیں اور حقیقت نگاری کا چلن جاری کیا۔

اس سلسلے میں حالؔی نے خود مرثیے اور قصیدے لکھ کر اس پر عمل بھی کیا۔اردو سوانح نگاری کو جدید تنقیدی اصولوں کے مطابق مرتب کرنے کا سہرا بھی حالؔی کے سر ہے۔ مقالات نگاری اور مضمون نگاری میں طرزِ حالؔی کا رنگ منفرد ہے۔ مضمون نگاری میں حالؔی نے سائنسی اندازِ فکر اختیار کیا۔ دلائل و براہین سے اپنے موقف کو ثابت کرنے کا طریقہ کار حالؔی کی منفرد پہچان بنی جس سے سائنٹیفک نثر نگاری کا آغاز ہوا۔ حالؔی نے اردو شاعری کو حقیقت نگاری کی راہ دکھائی اور اس کے لئے سادہ اور عام فہم اسلوب اختیار کیا۔ دور از کار تشبیہات اور استعارات خیالی سے گریز کرکے ایک نیا انقلاب برپا کیا۔

فکرِ حالؔی کا رد عمل

نیوٹن نے تجربات و مشاہدات سے ایک قانون اخذ کیا تھا جس کے مطابق ہر عمل کا ایک ردِّ عمل ہوتا ہے جو سمت میں مخالف ہوتا ہے مگر قوت میں برابر ہوتا ہے۔ یہ قانون طبیعیات میں حرکت کے قوانین میں شامل ہے۔ یہ خالصتاً ایک سائنسی قانون ہے مگر اس کا اطلاق سائنس کے مضامین کے علاوہ دیگر علوم پر بھی ہوتا ہے۔ ادب بھی اس قانون سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ ہر ردِ عمل دراصل عمل سے پیدا ہوتا ہے۔ اگر عمل نہ ہو تو جسم حالتِ سکون میں رہے گا۔ جب عمل ہوگا تو جسم حرکت میں آئے گا اور مخالف سمت میں ردِّ عمل بھی پیدا ہوگا۔حالؔی نے بھی ادب کے پر سکون تالاب میں اپنی فکر کا پتھر پھینکا۔ پتھر کے گرنے سے تالاب میں اضطراب پیدا ہوا جس کے نتیجے میں فکرِ حالؔی کی لہریں پیدا ہوئیں۔ یہ لہریں دو اقسام کی تھیں: ایک حالؔی کی اس نئی فکر کو قبول کرنے کی لہر اور دوسری حالؔی کی فکر کی مخالفت کی لہر۔

بہر حال یہ بات اظہر من الشّمس ہے کہ دونوں اقسام کی لہروں کے پیدا ہونے کا سبب فکرِ حالؔی ہی ہے۔ اس لیے حالؔی کی مخالفت دراصل حالؔی کی فکر سے متاثر ہونے کا ایک الگ انداز ہے؛ ڈاکٹر جمیل جالبی اس سلسلے میں لکھتے ہیں: "ان [حالؔی] کا انقلاب ایک خاموش انقلاب ہے جس کے اثرات اتنے ہی اہم ہیں جتنے کسی انقلاب کے ہو سکتے ہیں۔ مختلف طبقے ان سے متاثر ہوئے۔ان کی مخالفت بھی اُن سے متاثر ہونے کا ایک انداز ہے... اردو کا کوئی ایسا ادیب، شاعر اور نقاد نہیں ہوگا جوان سے کتنا ہی اختلاف کیوں نہ رکھتا ہو مگر کسی نہ کسی طرح حالؔی کے زیرِ اثر نہ ہو۔" [17]

حالؔی کی فکری تشکیل میں چوں کہ کئی عناصر شامل تھے؛ اس لیے ان کی فکر کی مخالفت کے محرکات و عوامل بھی کئی عناصر پر مشتمل ہیں۔ جن کا مفصل تذکرہ کر دیا گیا ہے۔ ان اسباب و عوامل نے فکرِ حالی کی مخالفت کا بھرپور اہتمام کیا۔ان تمام فکری عناصر میں ایک اہم عنصر مذہبی عوامل ہیں۔۱۸۵۷ء کی ناکام جنگِ آزادی کے بعد مسلمانوں کا واحد سہارا مذہب ہی بچا تھا؛ سو مسلمانوں نے اسی میں پناہ لینے میں عافیت سمجھی۔ اس سے ایک ایسا

شعور ارتقا پذیر ہوا کہ مذہب کے معتقدات و معاملات میں سے کسی سے ذرا بھی بھول چوک ہوئی؛ مسلمان علما نے اس پر فوراً گرفت کی اور شدّت سے اس کا رد کیا۔

علما کا ایسا ردعمل بر محل اور فطری تھا اور در حقیقت یہ علما کے منصب کا تقاضا بھی تھا۔ کیوں کہ علما دین کی حفاظت کو اپنا ایمان گردانتے ہیں۔ نوآبادیاتی نظام کی بدولت عالم اسلام میں بالعموم اور برصغیر میں بالخصوص نئے سیاسی نظام سے مسلمانوں کے اندر اجتماعیت کا شعور پیدا ہوا اور اس شعور کی بیداری سے کئی مسلم جماعتیں وجود میں آئیں۔ ان میں سے بعض جماعتوں اور فرقوں کو انگریزوں کی سرپرستی حاصل تھی۔ انہی فرقوں میں ایک ''وہابی تحریک'' بھی تھی۔ عرب میں اس تحریک نے اسلام میں ایک نئے مکتبۂ فکر کی بنیاد رکھی۔ اس نئے مکتبہ فکر نے حجاز مقدس میں ''شرک'' کے نام پر کئی ایسے اقدامات کیے گئے، جس نے مسلمانانِ عالم کو شدید اضطراب میں مبتلا کر دیا۔ جن میں سے حجازِ مقدس میں علما کا قتلِ عام، جنت البقیع کا انہدام اور روضۂ رسول ﷺ کو مسمار کرنے کی کوششیں وغیرہ شامل تھے۔

یہ ایسے اقدام تھے جس سے مسلمانانِ عالم میں عمومی طور پر اور مسلمانانِ برصغیر میں خصوصی طور پر اضطراب پیدا ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان سے مسلمانوں کا ایک وفد اسی سلسلے میں حجازِ مقدس گیا اور مسلمانانِ برصغیر کے غم و غصّے سے ان شیوخ کو آگاہ کیا۔ حجاز مقدس میں اس قسم کی سرگرمیوں سے ''وہابی تحریک'' کو عالم اسلام اور برصغیر میں شکوک و شبہات کی نظر سے دیکھا جانے لگی۔ عبدالوہاب کی اس تحریک سے ہندوستان میں بھی کچھ لوگ متاثر ہوئے۔ مولانا اسماعیل دہلوی، سید احمد بریلوی اور شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے فرزندوں میں سے شاہ عبدالرحیم بھی انہی ''متاثرین'' میں سے تھے؛ دوسری طرف علمائے دیوبند بھی اسی تحریک سے متاثر نظر آتے ہیں مگر ان کے قائدین کے ہاں تذبذب اور گومگو کی کیفیت نظر آتی ہے۔ مولانا حسین احمد مدنی اسے خارجی قرار دیتے ہیں۔[18] مولانا انور شاہ کشمیری اسے ظالم و خون خوار درندہ کہتے ہیں۔[19] جب کہ مولانا رشید احمد گنگوہی اسے صالح اعمال رکھنے والا شخص کہتے ہیں۔[20] اس کے مقابلے میں مولانا احمد رضا دوٹوک موقف کا اظہار کرتے ہوئے اسے خارجی قرار دیتے ہیں۔[21] مولانا احمد رضا خان اس وقت سوادِ اعظم کی نمائندگی کر رہے تھے؛ ہندوستان میں مسلمانوں کی سب سے زیادہ تعداد انہی کے پیروکاروں کی تھی۔

یوں ان حالات میں متحدہ ہندوستان میں ''وہابی تحریک'' کے خلاف ایک سخت ردِّعمل پیدا ہوا۔ عام مسلمان اس فرقے کو انگریزوں کا پروردہ سمجھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ سر سید کو بھی یہ کہنا پڑا کہ پس وہابی جس آزادئ مذہب سے انگلش گورنمنٹ کے سایۂ عاطفت میں رہتے ہیں، دوسری جگہ ان کو میسر نہیں؛ ہندوستان ان کے لئے دارالامن ہے۔[22] اس وجہ سے ''وہابی فرقہ'' ہندوستان میں مسلمانوں کی اکثریت کا اعتماد حاصل کرنے میں ناکام رہا۔ مولانا

الطاف حسین حالیؔ بھی اسی فرقے سے متاثر تھے۔ حالیؔ کی وہابی تحریک سے وابستگی نے ان کے مخالفین میں خاطر خواہ اضافہ کیا۔ اس کا ایک ثبوت یہ ہے کہ حالیؔ نے ایک عربی رسالہ تحریر کیا جو ایک منطقی مسئلے کے سلسلے میں مولوی صدیق حسن خان بہادر کی تائید میں تھا۔

اس کے بارے میں خواجہ غلام الثقلین اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں ": غدر سے دو تین سال پہلے مولانا دہلی میں زیرِ تعلیم تھے۔ اس زمانے میں ایک عربی رسالہ آپ نے تصنیف کیا جس میں ایک منطقی مسئلہ مولوی صدیق حسن خان بہادر کی تائید میں تھا جسے ان کے استاد نے پڑھ کر نہایت ناراضگی [ناراضی] کا اظہار کیا؛ یہاں تک کہ اسے چاک کر دیا۔ مولانا کو قدرتی طور پر رنج ہوا لیکن استاد نے جو مشہور حنفی عالم تھے اور حسین بخش مدرسے میں پڑھاتے تھے، کہا کہ رسالہ اگرچہ نہایت لیاقت سے لکھا گیا تھا مگر چوں کہ ایک وہابی کی تائید میں تھا؛ اس لیے چاک کر دیا گیا۔"[23]

حالیؔ کی یہ پہلی تصنیف تھی۔ اس لیے اس واقعے کا حالیؔ پر اتنا شدید اثر ہوا کہ بہ قول مالک رام حالیؔ نے اس کے بعد دس سال تک کچھ نہ لکھا اور بالکل خاموش رہے۔ اس کے علاوہ حالیؔ نے "مسدس حالیؔ" میں انہی عقائد کی پرزور مذمت کی جو وہابی تحریک کے نزدیک "شرکیہ" تھے۔ بالفاظِ دیگر حالیؔ نے "مسدس" میں وہابی تحریک کے عقائد کا کھل کر دفاع کیا اور عامتہ المسلمین کے مزارات پر جانے کو پرستش سے تعبیر کیا۔

کرے غیر بت کی پوجا تو کافر　　　جو ٹھہرائے بیٹا خدا کا تو کافر
جھکے آگ پر بہر سجدہ تو کافر　　　کواکب میں مانے کرشمہ تو کافر
مگر مومنوں پر کشادہ ہیں راہیں　　　پرستش کریں شوق سے جس کی چاہیں
نبی کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں　　　اماموں کا رتبہ نبی سے بڑھائیں
مزاروں پہ دن رات نذریں چڑھائیں　　　شہیدوں سے جا جا کے مانگیں دعائیں
نہ توحید میں کچھ خلل اس سے آوے　　　نہ اسلام بگڑے نہ ایمان جائے[24]

ان "وہابی نظریات" سے اتفاق، پرچار اور تبلیغ نے حالیؔ کے مخالفین میں قابلِ قدر اضافہ کیا۔ اس کے علاوہ حالیؔ نے مسدس کے ایک بند میں رسول رحمت ﷺ کے لئے منصب رسالت کے لحاظ سے انتہائی نامناسب الفاظ استعمال کیے ہیں۔ بند درج ذیل ہے:

بنانا نہ تربت کو میری صنم تم　　　نہ کرنا مری قبر پر سر کو خم تم
نہیں بندہ ہونے میں کچھ مجھ سے کم تم　　　کہ بے چارگی میں برابر ہیں ہم تم
مجھے دی ہے حق نے بس اتنی بزرگی　　　کہ بندہ بھی ہوں اس کا اور ایلچی بھی[25]

اس بند میں مولانا الطاف حسین حالی نے حضور رحمت عالم ﷺ کے بارے میں "بے چارگی" کا لفظ استعمال کیا ہے جو کہ منصب رسالت کی شان میں گستاخی ہے اور مولانا اسماعیل دہلوی نے بھی اپنی کتاب "تقویت الایمان" میں بھی کچھ اسی قسم کے عقائد کا اظہار کیا تھا جس میں حضور رحمت عالم ﷺ کو ایک مجبور اور بے بس شخصیت کی صورت میں پیش کیا تھا۔[26] اس کتاب کو انگریزوں نے سرکاری وسائل سے چھاپ کر پورے برصغیر میں مفت تقسیم کیا تھا اور برصغیر میں فرقہ واریت کا آغاز بھی اسی کتاب کے مرہون منت ہے۔اس قسم کے بے احتیاطی اور وہابی عقائد کے پرچار سے حالی کی مخالفت میں اضافہ ہوا۔

اس کے علاوہ حالی نے اپنی نثری تصنیف "مجالس النسا" میں ملکہ وکٹوریہ کو مسلمان خواتین کے لئے بہ طور ایک نمونہ پیش کیا جس سے مسلمانوں کی طرف سے سخت رد عمل آیا۔ علی عباس حسینی لکھتے ہیں: "بچیوں کے لئے بہ طور نمونہ اور مثال ہر بار ملکہ وکٹوریہ ہی پیش کی جاتی ہے۔کیا حالی کو اسلامی یا ہندوستانی خواتین میں کسی کی سیرت ایسی نہیں ملتی تھی جس کی وہ بچیوں کو تبلیغ کرتے؟ ممکن ہے انگریز مربیوں کی خوش نودی کے خیال سے یہ حصے لکھے گئے ہوں تاکہ یہ نصاب میں ضرور داخل کر دی جائے اور زیادہ سے زیادہ پڑھی اور پڑھائی جائے۔جو کچھ بھی اسباب ہوں غیر ملکی حاکموں کی منقبت نے کتاب کی قدر و قیمت کو آزاد ہندوستان میں بہت گھٹا دیا ہے۔" [27]

اس کے علاوہ سر سید سے وابستگی بھی فکرِ حالی کی مخالفت کا ایک بڑا مذہبی سبب تھی۔ سر سید برصغیر میں چوں کہ "عقلیت" کے پروردہ تھے۔اس لیے انھوں نے برصغیر میں "عقلیت" کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کیا۔ "عقلیت" کو اگر معاملات میں داخل کیا جاتا تو کوئی بات نہیں تھی۔ سر سید نے اس کے برعکس معتقدات میں "عقلیت" کو اس طرح داخل کیا کہ بعض بنیادی اسلامی عقائد کا انکار کر بیٹھے۔ سر سید کے انہی عقائد کی وجہ سے علما نے انہیں ایک نئے فرقے "نیچری" کا بانی قرار دیا تھا۔اس عہد میں مسلمانوں کے پاس دے دلا کر ایک مذہب ہی بچا تھا، سو وہ اس معاملے میں کوئی سودا بازی کے متحمل نہیں ہو سکتے تھے۔ اس لیے سر سید کی مخالفت تو تھی ہی ساتھ حالی کی سر سیدؔ سے وابستگی اور سر سید کے بے جا حمایت نے فکرِ حالی کی مخالفت مزید بڑھی۔

اس کے علاوہ سر سید کی لکھی گئی تفسیر بھی حالی کی مخالفت کا ایک بڑا سبب بنی۔ اگرچہ حالی اس معاملے میں سر سید کے نکتۂ نظر سے متفق نہیں تھے مگر اپنے ہیرو کے محاسن بیان کرنے میں حالی کو اس تفسیر کی حمایت کا کڑوا گھونٹ بھی بھرنا پڑا اور "حیاتِ جاوید" میں حالی نے اس تفسیر کی اشاروں کنایوں میں بھرپور تائید کی۔

سر سید کی انگریزوں سے وفاداری تو کسی سے ڈھکی چھپی ہوئی نہیں ہے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کو سر سید اور حالی دونوں "غدر" کا نام دیتے ہیں جو ان کی فکری احساس کی غمازی کرتی ہے۔اس کے علاوہ جنگِ آزادی میں سر سید نے کئی انگریزوں کی جانیں بھی بچائی تھیں جس کا تذکرہ سر سید نے خود بھی کیا ہے اور حالی نے بھی

''حیاتِ جاوید'' میں اس بات کا اقرار کیا ہے۔ انگریزوں سے وفاداری مسلمانانِ برصغیر کے لئے ناقابلِ قبول رویہ تھا۔ اس کے علاوہ سرسید نے ''عقلیت'' کی تحریک کو خوب پروان چڑھایا یہاں تک کہ ''مذہبی لٹریچر'' میں بھی نکتہ چینی کا آغاز کر دیا۔ سرسید کے اس عمل سے ایک باب جو صدیوں سے بند تھا؛ وہ کھل گیا جس سے ایسی تحریکیں اور رُجحانات وجود میں آئے جنھوں نے اسلام کے انتشار میں بھرپور کردار ادا کیا۔

سرسید کی ''عقلیت'' کی یہ ابتدا ''پرویز'' کی فکر میں معراج کے درجے تک جا پہنچی۔ جنھوں نے احادیثِ نبوی کا ہی انکار کر دیا۔ اس طرح سرسید کی عقلیت نے دین کا ایک نیا زاویہ متعارف کروایا۔ سرسید نے اس کی وضاحت خود کی اور کہا پس جو مذہب کہ ہمارے سامنے پیش کیے جاتے ہیں ان کی صداقت کی یہی معیار ہو سکتی ہے کہ اگر وہ مذہب فطرتِ انسانی یا نیچر کے مطابق ہے تو سچا ہے۔[28]

سرسید نے مذہب کے معیار کو فطرتِ انسانی سے منطبق کیا جو کہ مذہب کا ایک بالکل نیا زاویہ فکری تھا۔ علما کی گرفت سے عام مسلمانوں میں سرسید کا یہ نقطۂ نظر مقبول نہ ہو سکا جس کی وجہ سے سرسید کے عقائد پر سخت مؤقف سامنے آئے۔ سرسید نے صرف اسی پر بس نہیں کیا بل کہ اسلام کے بعض ایسے بنیادی معتقدات کے بارے میں بھی عجیب و غریب مؤقف اختیار کیے جو کہ صریحاً اسلام سے متصادم تھے۔ مثلاً فرشتوں کے متعلق ان کا مؤقف یہ تھا'': قرآنِ مجید سے فرشتوں کا ایسا وجود جیسا کہ مسلمانوں نے اعتقاد کر رکھا ہے، ثابت نہیں ہوتا بل کہ برخلاف اس کے پایا جاتا ہے... فرشتے نہ کوئی جسم رکھتے ہیں اور نہ دکھائی دے سکتے ہیں۔ ان کا ظہور بلا شمول مخلوق موجود کے نہیں ہو سکتا۔''[29]

اسی طرح جبریل و میکائیل دونوں مقرب فرشتوں کے بارے میں رقم طراز ہیں: "ان دونوں کے نام قرآن مجید میں آنے سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ درحقیقت اس نام کے دو فرشتے مع تشخصہا علی حدۃ علی حدۃ ایسی ہی مخلوق ہیں جیسے کہ زید و عمر... فرشتوں کے نام یہودیوں کے مقرر کیے ہوئے ہیں۔"[30] اسی طرح سرسید فرشتوں کے علاوہ جنات کو بھی ماننے سے انکاری ہیں اور کہتے ہیں کہ جہاں جن کے لفظ کا فی الواقع ایک مخلوق مستقل پر اطلاق ہوا ہے ؛اس سے جنگلی اور وحشی انسان مراد ہیں جو پوری تمدّنی حالت نہیں ہیں۔[31] معجزات و کرامات پر بھی ان کا مؤقف انتہائی متشدد تھا اور سرسید نے ان کا بھی انکار کر دیا اور کہا کہ انسان کے دین، دنیا اور تمدن و معاشرت بل کہ زندگی کی حالت کو کرامت اور معجزہ پر یقین یا اعتقاد رکھنے سے زیادہ خراب کرنے والی کوئی چیز نہیں ہے۔[32]

سرسید نے صرف اسی پر قناعت نہیں کی بل کہ مسلمانوں کے عظیم سپہ سالاروں محمود غزنوی اور عالم گیر کی بُت شکنی کو بھی تنقید کا نشانہ بنایا۔[33] مگر جب بات انگریزوں کی بات آئی تو ان کی اطاعت کو مذہباً فرض قرار دے دیا: "ہندوستان میں برٹش گورنمنٹ خدا کی طرف سے ایک رحمت ہے۔ اس کی طاقت اور فرماں برداری اور پوری وفاداری اور نمک

حلالی، جس کے سایہ عاطفت میں ہم امن امان سے زندگی بسر کرتے ہیں، خدا کی طرف سے ہمارا فرض ہے۔ میری یہ رائے آج کی نہیں ہے بل کہ پچاس ساٹھ برس سے میں اسی رائے پر قائم اور مستقل ہوں۔" [34]

سرسید اس سے بھی آگے بڑھے اور انگریزوں سے جہاد کی حرمت کا ''فتویٰ'' بھی جاری کر دیا اور جہاد کرنے والوں کو سزائے موت کا حق دار قرار دے دیا۔[35] ان حقائق سے معلوم ہوتا ہے کہ سرسید نے ضرورت اور بے ضرورت دونوں طرح انگریزوں کی تائید کی جو ان کی سب سے بڑی کمزوری سمجھی جاتی ہے اور حالؔی بھی اسی کمزوری کا شکار رہے ہیں۔ لہٰذا اس قسم کے نظریات رکھنے والا عام مسلمانوں کے لئے قابلِ قبول شخصیت نہیں ہو سکتا تھا۔ اگرچہ حالؔی کے بعض مذہبی نظریات کلیتہً سرسید سے مختلف تھے مگر ''حیاتِ جاوید'' میں حالؔی نے سرسید کی حد سے زیادہ طرف داری کی اور ان کی ''تفسیر القرآن'' کی بھرپور خصوصیات گنوائی ہیں۔ ڈاکٹر جمیل جالبی حالؔی کے اس رویے پر بات کرتے ہوئے لکھتے ہیں'': وہ سرسید کی مدح ہی کرنا چاہتے ہیں۔ سرسید ان کے ہیرو ہیں لیکن معاشرے نے سرسید کی قدح میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا تھا؛ اس لیے وہ قدح کے پہلو بھی سامنے لاتے ہیں مگر ان کا جواز ڈھونڈ کر ان کو بھی محاسن میں تبدیل کر دیتے ہیں۔'' [36]

اس کے علاوہ حالی نے سرسید احمد خان کے خیالات کو تصنیف و تالیف کے ذریعے پیش کرنے میں بھرپور سرگرمی دکھائی۔ اس لیے "مسدس حالی" کی اشاعت پر سرسید احمد خان نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا: ''بے شک میں اس (نظم) کا محرک ہوا اور اس کو اپنے ان اعمال حسنہ میں سے سمجھتا ہوں کہ جب خدا مجھ سے پوچھے گا کہ تو کیا لایا ؟میں کہوں گا کہ حالی سے مسدس لکھوالایا ہوں اور کچھ نہیں۔" [37] اپنے ہیرو کی تعریف و توصیف اور ان کے عیوب سے پردہ پوشی یا ان کی خامیوں کا جواز تلاش کرنا فکرِ حالؔی کی فکر کی مخالفت کا ایک اور بڑا سبب بنا۔

اردو ''ہند اسلامی تہذیب'' کی ترجمان زبان تھی۔ اردو زبان کا خمیر عربی، فارسی اور مقامی بولیوں سے اٹھا تھا جس کی وجہ سے یہ ہر دل عزیز زبان بن گئی۔ اس کا رسم الخط بھی عربی سے مستعار ہے جو کہ مسلمانوں کی مذہبی زبان ہے۔ اسی وجہ سے بنارس میں ہندوؤں کی طرف سے باقاعدہ اردو زبان کی مخالفت میں ایک تحریک کا آغاز کیا۔ جس کو تاریخ اردو ہندی تنازعے کے نام سے جانتی ہے۔ انگریزوں کے آنے سے ان کی تہذیب، تمدن اور ثقافت بھی پھیلنے لگی۔ انگریز مسلمانوں کی ہر شناخت ختم کرنا چاہتے تھے تاکہ مسلمانانِ برصغیر الگ شناخت کے ہر پہلو سے الگ ہو جائیں تاکہ جغرافیائی قومیت کو فروغ دیا جا سکے۔ اس کے لئے انھوں نے سب سے پہلا شکار اردو کو نشانہ بنایا۔ انگریزوں نے مسلمانوں کی اس شناخت کا اثر کم کرنے کے لئے اداروں، اشخاص اور حکومت کو استعمال کیا۔ جس کا ایک ثبوت اردو میں انگریزی لفظیات کا حد سے زیادہ استعمال ہمیں سب سے پہلے سرسید اور ان کے رفقا کی شعوری کوششوں میں نظر آتا ہے۔

اس اقدام کا مقصد اردو زبان کا عربی اور فارسی زبان سے تعلق بتدریج ختم کرنا تھا۔ان اقدامات کی وجہ سے انگریزی تہذیب نے پڑھے لکھے مسلمان طبقے پر گہرے اثرات مرتب کیے؛انگریزی طرز کے مکانات بنانے کو فروغ ملا؛ مغربی طرز کے لباس کو ترجیح دی جانے لگی؛ انگریزی طرز کی بودوباش اختیار کرنے کی کاوشیں ہونے لگیں؛انگریزی زبان وادب کو مقدم سمجھا گیا؛اور مغربی تہذیب کے ہر عنصر کو اپنانے کی سعی کی گئی۔اس عہد کے اردو ادب میں بھی اس قسم کی صورتِ حال کا عکس ملتا ہے۔ڈپٹی نذیر احمد کا ناول "ابن الوقت" اس صورتِ حال کا سب سے بڑا عینی شاہد ہے جس میں "ابن الوقت" مغربی تہذیب کے ہر عنصر پر کار بند رہنے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے۔ ذرائع ابلاغ نے بھی اس نئی تہذیب کے خلاف بھرپور اپنا کردار ادا کیا۔

"اودھ پنچ" نے جس طرح مغربی تہذیب کی بیخ کنی کی، وہ بھی اپنی مثال آپ ہے۔انگریزوں کی بے جا طرف داری اور مذہب کا نیا نقطۂ نظر متعارف کروانے پر "اودھ پنچ" نے سرسید کو "نیچر نیچر" کہہ کر خوب مذاق اُڑایا۔شاعری میں اکبر الہ آبادی اس پر اپنا سخت رد عمل دیا۔ادھر دینی سطح پر علما نے بھی اس تہذیب و تمدن کے خلاف شدید ردِّ عمل دیا۔مولانا احمد رضا اسی مغربی تہذیب کے متعلق لکھتے ہیں: "انگریزی وضع کے کپڑے پہننا حرام، اشد حرام اور انہیں پہن کر نماز مکروہ تحریمی، قریب الحرام، واجب الاعادہ کہ جائز کپڑے پہن کر نہ پھیرے تو گناہ گار، مستحق عذاب، العیاذ باللہ العزیز الغفار۔" 38

ان حالات میں انگریزوں اور سرسید کی حمایت کرنا حالی کے لئے مشکل امر ثابت ہوا اور مخالفت کا ایک طوفان ان کے خلاف کھڑا ہوا۔یوں ادبی میدان میں ادبا اور شعرا اور دینی محاذ پر علما نے مغربی تہذیب و تمدن کو آڑے ہاتھوں لیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ عام مسلمان مغربی تہذیب و تمدن کو اپنی شناخت کا خاتمہ سمجھنے لگے اور جو کوئی بھی مغربی تہذیب و تمدن، ادب، زبان یا ثقافت کی حمایت کرتا تو عامۃ المسلمین، اس سے بریت کا اظہار کرتے اور اسے انگریزوں کا ایجنٹ سمجھتے۔اس صورت حال میں جب حالی نے سرسید کا دامن تھاما اور سرسید تحریک کے تمام پہلوؤں کی بھرپور حمایت کی اور اپنے علمی وادبی کام میں مغربی تہذیب و تمدن کی عکاسی کی تو مسلمانانِ برصغیر کی طرف سے شدید ردِّ عمل آیا۔"حیاتِ جاوید" میں سرسید کی مساعی کو جواز کے لبادے میں پیش کرنے سے لے کر شاعری میں انگریزوں کے قصائد لکھنے تک سارا عمل مسلمانانِ برصغیر کے لئے ناقابل قبول تھا۔اس لیے فکر حالی کی مخالفت کا ایک سبب یہی مذہبی عوامل تھے۔فکرِ حالی کے رد عمل میں ایک کثیر علمی وادبی سرمایہ اشاعت آشنا ہوا۔جس سے نئے نئے زاویۂ نگاہ سامنے آئے جس سے علم وادب کی سرحدیں مزید وسعت آشنا ہوئیں۔یہ وسعت بھی حالی کے اثرات کا نتیجہ قرار پاتی ہے۔

نتیجہ گیری

مولانا الطاف حسین حالیؔ کی فکر کئی جزا کا مرکب تھی۔ ان اجزا میں صرف ایک جزو جو کہ مذہبی عامل تھا اس پر تفصیلی بحث ہوئی۔ اس بحث سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ یہ عامل ایک مضبوط عامل بن کر فکرِ حالیؔ کا جزو لازم بنا۔ اس عامل نے فکرِ حالیؔ کے مخالفین میں اضافہ کیا۔ چوں کہ مذہب کسی بھی شخص کے لیے مرکزی حیثیت کا حامل ہوتا ہے اس لیے جب حالیؔ نے اپنے مخصوص طرزِ تفکر کی بنیاد پر جو کہ بذات خود قابل نقد ہے، مذہبی عقائد اور افکار کی تعبیرِ نو کی طرف توجہ کی تو حالی کی مخالفت کا ایک طوفان اٹھا جس کے نتیجے میں اردو ادبیات میں نئی مباحث نے جنم لیا اور نئے زاویے منکشف ہوئے۔ یہ سارا شعری اور نثری سرمایہ اصل میں حالیؔ کی فکر کا نتیجہ ہے۔ حالیؔ کے عہد سے لے کر آج تک اردو ادبیات کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جو فکرِ حالی کے اثرات سے مملو نہ ہو۔

*****

References

---

1. Maolana Altaf Hussain, Hali, *Maqalat-e Hali* (New Delhi, Anjumn Taraqqi e Urdu, 1982), 265-266.

مولانا الطاف حسین، حالیؔ، مقالاتِ حالیؔ (نئی دہلی، انجمن ترقی اردو، 1982ء)، 265-266۔

2. Maolana Altaf Hussain, Hali, *Hali ki Kahani Khud Un ki Zabani*, (Lucknow, Foroughi e Urdu, Hali No. 1959), 9.

مولانا الطاف حسین، حالیؔ، حالی کی کہانی خود ان کی زبانی (لکھنؤ، فروغ اردو، حالیؔ نمبر، 1959ء)، 9۔

3. Maolana Altaf Hussain Hali, *Maqalat e Hali*, 65-266.

حالیؔ، مقالاتِ حالیؔ، 265-266۔

4. Maolana Altaf Hussain, Hali, *Kal-iylāt Nazm-e Hali,* (Lahore, Majlis Taraqqi e Adab, 1968), 435.

مولانا الطاف حسین، حالیؔ، کلیات نظمِ حالیؔ (لاہور، مجلس ترقی ادب، 1968ء)، 435۔

5. Ibid, 433.

ایضاً، 433۔

6. Ibid, 432.

ایضاً، 432۔

7. Ibid.

ایضاً۔

8. Ibid, 411.

ایضاً،411۔

9. Ibid, 281.

ایضاً،281۔

10.Ibid, 297.

ایضاً، 297۔

11. Ibid, 393.

ایضاً،393۔

12. Hali, *Kal-iylāt Nazm-e Hali*, 245-246.

حالی، کلیاتِ نظمِ حالی، 245-246۔

13. Dr. Ghulam Mustafa Khan, *Hali ka Zehni o Fikri Irtiqa* (Karachi, Fazli Sons, 2003), 31-32.

ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خان، حالی کا ذہنی و فکری ارتقا (کراچی، فضلی سنز، 2003ء)، 31-32۔

14. Maolana Altaf Hussain Hali, *Maqalāte Hali*, Vol:2, (Delhi, Anjuman Taraqqi e Urdu,1936),139

مولانا الطاف حسین حالی، مقالاتِ حالی، ج2(دہلی، انجمن ترقی اردو،1936ء)،139 ۔

15. Dr. Abdul- Qayum, *Hali ki Nathar Nigari* (Lahore, Majlis e Taraqqi e Adab, 1964), 123.

ڈاکٹر عبدالقیوم، حالی کی نثر نگاری (لاہور، مجلس ترقی ادب، 1964ء)، 123۔

16. Mumtaz Hussain, Azadi ka Sha'er, *Sahifa*, Hali No, Issue # 121-22, (Lahore, Majalis-e Taraqi-e Adab, Jan-Jun 2015), 312.

ممتاز حسین، آزادی کا شاعر، مشمولہ مجلّہ صحیفہ، حالی نمبر ، شمارہ نمبر 22-121 (لاہور، مجلس ترقی ادب، جنوری تا جون 2015):312۔

17. Dr. Jameel, Jalbi, *Tarīkh-e Adab-e Urdu*, Vol.4, (Lahore, Majlis Taraqqi e Adab, 2015), 983.

ڈاکٹر جمیل جالبی، تاریخ ادب اردو، ج4(لاہور، مجلس ترقی ادب، 2015ء)، 983۔

18. Maolana Hussain Ahmad, Madni, *Al Shahab U Saqib* (Lahore, Darul Kitab, 2004), 23.

مولانا حسین احمد، مدنی، الشہاب الثاقب (لاہور، دار الکتاب، 2004ء)، 23۔

19. Maolana Anwar Shah, Kashmiri, *Al Mohand Al Mufand* (Lahore, Almeezan, 2005), 90-92.

مولانا انور شاہ، کشمیری، المہند المفند (لاہور، المیزان، 2005ء)، 90-92۔

20. Maolana, Rasheed Ahmad, Gangohi, *Fatwa-e Rashidia,* (Quetta, Al Maktabatul Al Hanfia, nd.), 90-92.

مولانا رشید احمد، گنگوہی، فتاویٰ رشیدیہ (کوئٹہ، المکتبۃ الحنفیہ، سن ندارد)، 90-92۔

21. Maolana, Ahmad Raza, *Fatwa- e Rizwiya,* Vol. 27 (Lahore, Riza Foundation, 2000), 443.

مولانا احمد رضا، فتاویٰ رضویہ، ج27 (لاہور، رضا فاونڈیشن، 2000ء)، 443۔

22. Sir Syed Ahmad Khan, *Khud Nawisht Afkaar e Sir Syed*, Compile by Zia U Din Ahmad, (Karachi, Fazli Sons, 1998), 52.

سرسید احمد خان، خود نوشت افکار سرسید، مرتبہ ضیاالدین احمد (کراچی، فضلی سنز، 1998ء)، 52۔

23. Saliha Abid Hussain, *Yadgar-e Hali,* (Mirpur, Arslan Books, nd.), 27-28.

صالحہ عابد حسین، یادگار حالی (میرپور، ارسلان بکس، سن ندارد)، 27-28۔

24. Maolana Altaf Hussain, Hali, *Mussadas-e Hali* (Lahore, Taj Company, nd.), 51.

مولانا الطاف حسین، حالی، مسدس حالی (لاہور، تاج کمپنی، سن ندارد)، 51۔

25 Ibid, 51.

ایضاً، 51۔

26. Maolana Ismael, Delhi, *Taqwiyat al-Imaan* (Multan, Kuttab Khanna e Majeedia, nd.), 18.

مولانا اسماعیل، دہلوی، تقویت الایمان (ملتان، کتب خانہ مجیدیہ، سن ندارد)، 18۔

27. Ali Abbas, Husseini, *Majalis al-Nisa*, comprised upon *Foroughi-e Urdu*, Hali No (Lucknow, Idarah Farough-e Adab, nd.), 344.

علی عباس، حسینی، مجالس النساء، مشمولہ فروغ اردو، حالی نمبر (لکھنو، ادارہ فروغ ادب، سن ندارد)، 344۔

28. Sir Syed Ahmad Khan, *Safar Nama-e Punjab* (Ali Garth, Sir Syed Acadmy, 2009), 197.

سرسید احمد خان، سفر نامہ پنجاب (علی گڑھ، سرسید اکیڈمی، 2009ء)، 197۔

29. Sir Syed Ahmad Khan, *Tafsīr al-Quran,* (Lahore, Rifai e Aam Sateem Press, nd.), 47.

سرسید احمد خان، تفسیر القرآن (لاہور، رفاہ عام سٹیم پریس، سن ندارد)، 47۔

30. Ibid,153-154.

ایضاً، 153-154۔

31. Ibid, 81.

ایضاً، 81۔

32. Sir Syed Ahmad Khan, *Maqalāt-e Sir Syed,* Vol. 1, (Lahore, Majlis e Taraqi Adab, 1962), 123.

سرسید احمد خان، *مقالات سرسید*، ج1 (لاہور، مجلس ترقی ادب، 1962ء)، 123۔

33. Sir Syed Ahmad Khan, *Tafsīr al-Quran,* 109-110.

سرسید احمد خان، *تفسیر القرآن*، 109-110۔

34. Sir Syed Ahmad Khan, *Khutbah,* Rodad Muhammdan Educational, 9th Meeting, 169.

سرسید احمد خان، خطبہ، مشمولہ روداد محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس، اجلاس نہم، 169.

35. Sir Syed Ahmad Khan, *Ali Garth Institute Gazett*, (Lakhnau, Urdu Academy, 1871), 259.

سرسید احمد خان، *علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ* (لکھنو، اردو اکادمی، 1871ء)، 259 ۔

36. Jameel Jalbi, Dr, Tarīkh Adeb-e Urdu, Vol. 4, (Lahore, Majlis Taraqqi e Adab,2007),762

ڈاکٹر جمیل، جالبی، *تاریخ ادب اردو*، ج4 (لاہور، مجلس ترقی ادب، 2007ء)، 762۔

37. Dr. Syed Taqi, Abdi, *Mussadas-e Hali*, (Jhelum, Book Corner,2015), 12.

سید ڈاکٹر تقی، عابدی، *مسدس حالی* (جہلم، بک کارنر، 2015ء)، 12۔

38. , Maolana, Ahmad Raza, *Fatwah-e Raviya*, Vol. 3, 442.

مولانا احمد رضا، *فتاویٰ رضویہ*، ج3، 442۔